© rasailojaraid.com



جناب ضیاءالدین صاحب لاہوری

# سرسیّد اور دو قومی نظریہ

پاکستان کا قیام "دو قومی نظریہ" کے نعرہ کی بنیاد پر عمل میں آیا۔ اگرچہ برصغیر میں آزادی سے قبل دو سے زیادہ قومیں آباد تھیں۔ مگر "دو قومی نظریہ" کی اصطلاح اس وجہ سے ہوئی کہ اس علاقہ میں ہندو اور مسلمان دوسری قوموں کی نسبت واضح اکثریت رکھتے تھے۔ اور دونوں اپنی اپنی جگہ قابل ذکر اہمیت کے حامل تھے۔ یہی دو قومیں اس خطہ کے وسیع رقبوں پر حکومت کرنے کی اہل سمجھی جاسکتی تھیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی آمد سے قبل یہاں کے مختلف علاقوں میں ہندو راجے اور مہاراجے حکمران تھے۔ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسلمان حملہ آوروں نے ادھر کا رخ کیا۔ اور یکے بعد دیگرے ان کے علاقوں پر قابض ہونے لگے۔ یہ سلسلہ کئی صدیوں تک جاری رہا۔ بالآخر انگریز تاجروں کے بھیس میں ہندوستان میں داخل ہوئے اور اپنی حکمت عملیوں سے کام لے کر آہستہ آہستہ عظیم الشان مغل سلطنت کے فرماں رواؤں کو یوں بے بس کر دیا کہ بالواسطہ طور پر خود حکمران بن گئے۔ اٹھارہ سو ستاون کے بعد واسطے کا یہ برائے نام سلسلہ بھی تمام ہوا اور اس خطے پر ان کا سکّہ چلنے لگا۔

جدید دور آیا اور اقتدار کا مفہوم بدلنے لگا۔ اب تلوار کے زور سے حکومت کرنے کا زمانہ ختم ہو رہا تھا۔ جمہوریت کے نام پر عددی اکثریت حکمرانی کا حق قرار پانے لگی۔ باوجودیکہ نظم و نسق میں صلاح و مشورہ کے لئے اہل ہند کی نامزدگی کا رواج ابھی تک نہیں ہوا تھا۔ مگر انگریز حکام خاص حدود کے اندر اکثریت کی بنیاد پر پیش کئے گئے مطالبات کی پذیرائی کا تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ تاکہ بدامنی سے محفوظ رہ کر جس قدر ممکن ہو اپنے دورِ اقتدار کو طوالت دی جاسکے۔ بااثر ہندوؤں کا ایک طبقہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ایسے منصوبے بنانے لگا۔ جس سے مسلمانوں کے تہذیبی آثار مٹا کر خالص ہندوانہ تہذیب کو رائج کیا جائے۔ ایسی ہی ایک کوشش ۱۸۶۷ء میں کی گئی جب بنارس کے سربرآوردہ ہندوؤں نے اردو زبان اور اس کے فارسی رسم الخط کی بجائے بھاشا زبان اور دیوناگری رسم الخط جاری کروانے کی ایک تحریک شروع کی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے الطاف حسین حالی لکھتے ہیں۔

"سرسیّد کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لئے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہی دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا۔ ایک روز مسٹر شیکسپئر سے، جو اس وقت بنارس میں کمشنر



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تھے، میں مسلمانوں کی تعلیم کے بارے میں کچھ گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے۔ آخر انہوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے۔ اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے۔

میں نے کہا، اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہوسکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے، آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد اُن لوگوں کے سبب، جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔

انہوں نے کہا، اگر آپ کی یہ پیشین گوئی صحیح ہو تو نہایت افسوس ہے۔

میں نے کہا، مجھے بھی نہایت افسوس ہے مگر اپنی پیشین گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔"[1]

مولوی عبدالحق اس واقعہ کو "دو قومی نظریہ کی ابتدا" قرار دیتے ہیں[2] اور رئیس احمد جعفری سرسید کو "دو قومی نظریہ کا اصلی خالق" قرار دے کر ان کے نظریہ کو "پاکستان کی خشت اول" سے تعبیر کرتے ہیں[3]

صفدر سلیمی انہیں "پاکستان کا معمار اول" گردانتے ہیں[4]

ہمارے بہت سے دوسرے دانشور بھی اسی قسم کا پرچار کرتے ہیں۔ اخباروں اور رسالوں میں یہی کچھ لکھا جاتا ہے نصابی کتب کی وساطت سے طلبہ کو یہی تعلیم دی جاتی ہے اور علمی ادبی محفلوں میں بھی یہی کچھ سننے میں آتا ہے۔ سرسید کے الفاظ سے اپنی مرضی کے نتائج نکالنا ہمارے بعض دانشوروں کا کمال بنتا جا رہا ہے۔ ان کا فن اصل حوالوں سے بے نیازی ہے۔ مجبوری کی صورت میں سیاق و سباق کو چھپا دیا جاتا ہے۔ یا پھر ان کے مفہوم کو ایسے الفاظ کا لبادہ پہنایا جاتا ہے جس سے دوسروں کو اصل سے متضاد تاثر ملے۔ حقائق کی وضاحت میں طویل و عریض انشا پردازی کی بجائے سرسید کے اصل حوالے پیش خدمت ہیں۔ زبان ہی کے مسئلے میں مذکورہ بالا متعصبانہ کوششوں کے متعلق ۱۸۸۷ء میں سرسید ایک تعلیمی سروے رپورٹ میں لکھتے ہیں:۔

"تیس برس کے عرصے سے مجھ کو ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی فلاح کا، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، خیال پیدا ہوا ہے اور ہمیشہ میری یہ خواہش تھی کہ دونوں مل کر دونوں کی فلاح کے کاموں میں کوشش کریں۔ مگر جب سے ہندو صاحبان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اردو زبان اور فارسی کو، جو مسلمانوں کی حکومت اور ان کی شہنشاہی ہندوستان کی باقی ماندہ نشانی ہے، مٹا دیا جائے۔ اس وقت سے مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب ہندو و مسلمان باہم متفق ہو کر ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی

---

[1] حیات جاوید، حصہ اول [2] سرسید احمد خان، حالات و افکار ص ۶۷ [3] خطبات قائد اعظم ص ۶۵ [4] پاکستان کا معمار اول، عنوان کتاب



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



فلاح کا کام نہیں کر سکتے"۔ [۱]

مندرجہ بالا حوالوں سے یہ بات عیاں ہے کہ سرسید ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے۔ البتہ اپنے تاثرات کے ذریعہ وہ تعصب کی ان مساعی کی مذمت کرتے ہیں جب وہ دونوں قوموں میں علیحدگی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے بیانیہ انداز سے دکھ کا اظہار ہوتا ہے۔ ورنہ وہ ہر دم ان دونوں کی برابر ترقی کے خواہاں ہیں۔ یہ ان کی سیاست کے ابتدائی دور کے الفاظ نہیں، اس کے بعد بھی وہ آخر دم تک ان دونوں قوموں کی یک جہتی کا پرچار کرتے رہے۔ اپنی وفات سے چند ماہ قبل ۱۲ جون ۱۸۹۷ء کے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ان کی تحریر کا یہ اقتباس قابلِ غور ہے۔

"صدیاں گزر گئیں۔ کہ ہم دونوں ایک ہی زمین پر رہتے ہیں، ایک ہی زمین کی پیداوار کھاتے ہیں ایک ہی زمین کا یا دریا کا پانی پیتے ہیں۔ ایک ہی ملک کی ہوا کھا کر جیتے ہیں۔ پس مسلمانوں اور ہندوؤں میں کچھ مغائرت نہیں ہے۔ جس طرح آریا قوم کے لوگ ہندو کہلائے جا سکتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی ہندو یعنی ہندوستان کے رہنے والے کہلائے جا سکتے ہیں"۔ [۲]

"سکنے" کی بات تو الگ رہی، سرسید نے ۱۸۸۴ء میں لاہور میں آریہ سماج کے وفد سے باتیں کرتے ہوئے اس بات کا گلہ کیا تھا کہ:-

"مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ مجھ کو، باوجود اس کے کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں، ہندو نہیں سمجھتے"۔ [۳]

اس سے ایک سال قبل انہوں نے پٹنہ میں خطاب کرتے ہوئے "قوم" کا مفہوم اس طرح بیان کیا:-

"ملک ہندوستان میں دو مشہور قومیں آباد ہیں جو ہندو اور مسلمان کے نام سے مشہور ہیں۔ جس طرح کہ انسان میں بعض اعضائے رئیسہ ہیں اسی طرح ہندوستان کے لئے وہی دونوں قومیں بمنزلہ اعضاء رئیسہ کے ہیں۔ ہندو ہونا یا مسلمان ہونا انسان کا اندرونی خیال یا عقیدہ ہے جس کو بیرونی معاملات اور آپس کے برتاؤ سے کچھ تعلق نہیں ہے...... جس طرح ہندوؤں کی شریف قومیں اس ملک میں آئیں اسی طرح ہم بھی اس ملک میں آئے...... ہم نے بھی ہندوستان کو اپنا وطن سمجھا اور اپنے سے پیش قوموں کی طرح ہم بھی اس ملک میں رہ پڑے۔ پس اب ہندوستان ہی ہم دونوں کا وطن ہے۔ ہندوستان ہی کی ہوا سے ہم دونوں جیتے ہیں۔ مقدس گنگا جمنا کا پانی ہم دونوں پیتے ہیں۔ ہندوستان ہی کی پیداوار ہم دونوں کھاتے ہیں۔ مرنے جینے میں دونوں کا ساتھ ہے۔ ہندوستان میں رہتے رہتے دونوں کا خون بدل گیا۔ دونوں کی رنگتیں

[۱] خطبات سرسید جلد دوم ص ۵۱۲ [۳] سفرنامہ پنجاب ص ۱۴۰



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ایک سی ہوگئیں۔ دونوں کی صورتیں بدل کر ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئیں۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی سینکڑوں رسمیں اختیار کرلیں۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی سینکڑوں عادتیں لے لیں۔ یہاں تک ہم دونوں آپس میں ملے کہ ہم دونوں نے مل کر ایک نئی زبان اردو پیدا کرلی جو نہ ہماری زبان تھی نہ ان کی۔ بس اگر ہم اس حصہ سے جو ہم دونوں میں خدا کا حصہ ہے، قطع نظر کریں تو درحقیقت ہندوستان میں ہم دونوں باعتبار اہل وطن ہونے کے ایک قوم ہیں"۔ [1]

محض " دوقومیں " کے الفاظ استعمال کرنے سے دو قومی نظریہ کی ترجمانی نہیں ہوتی۔ اس نظریہ سے اتفاق کیا جائے یا اختلاف۔ لیکن اس کا بہر حال ایک پس منظر ہے۔ سرسید کا مذکورہ بالا فلسفہ پاکستان کے دو قومی نظریہ کی واضح طور پر نفی کرتا ہے۔ ایک زمانہ میں تحریک پاکستان کے قائداعظم محمد علی جناح بھی ان دونوں قوموں میں " اتحاد کے سفیر " کے طور پر معروف تھے۔ مگر بعد میں انہوں نے بوجہ اس اتحاد کی کوششوں سے ہاتھ کھینچ لیا۔ کسی شخصیت کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ہمیشہ اس کے آخری افکار مدنظر رکھے جاتے ہیں۔ سرسید کے آخری خیالات آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ ان کا موازنہ اس دو قومی نظریہ کے بیان سے کیجئے۔ جو حصولِ پاکستان کی بنیاد ہوئے۔ قائداعظم نے ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں اپنے تاریخی خطبہ میں اس کی یوں توضیح کی :-

"اسلام اور ہندو دھرم محض اور فقط مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت وہ دو مختلف و متمیز معاشرتی نظام ہیں۔ بلکہ اس خواہش کو خواب وخیال ہی کہنا چاہیئے۔ کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کرسکیں گے ..... ہندو اور مسلمان دو مختلف مذہبی معتقدات، دو مختلف ادبیات اور دو مختلف النّوع معاشرتی اطوار کے ماتحت ہیں۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اور یہ بھی اصرار کے ساتھ کہیئے کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بلکہ اکثر متصادم ہوتے رہتے ہیں۔ حیاتِ انسانی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی تمناؤں کے ترقیات کے لئے مختلف تاریخوں سے شغف رکھتے ہیں۔ دونوں قوموں کی رزمیہ نظمیں، ان کے سربرآوردہ بزرگ اور قابلِ فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے

---

[1] مکمل مجموعہ لیکچرز واسپیچز، ص ۱۶۷



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی رہے گی جو انجام کار تباہی لائے گی" ؎۱

پاکستان کا دو قومی نظریہ محض اس امر کی وضاحت نہیں تھا کہ مسلمان ہندوؤں سے ایک الگ قوم ہیں۔ اس میں غیر ملکی حکمرانوں سے مکمل آزادی بھی مطلوب تھی۔ یہ انگریزوں کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس کا مقصد ان سے نجات حاصل کرنا تھا۔ اس امر میں اس قافلہ کے سالارِ اعلیٰ کے خیالات ملاحظہ فرمائیں۔ جس کا اظہار انہوں نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ دہلی میں ۹ نومبر ۱۹۴۲ء کو کہا:۔

"یہ ایک چھوٹا براعظم ہے جس میں مختلف لوگ اور قومیں آباد ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ کبھی کسی ایک طاقت نے پورے ملک پر حکومت نہیں کی۔ اور اس زمانہ میں بھی جب کہ برطانیہ آئینی طور سے اس پر حکمران ہے۔ ایک تہائی ہندوستان برطانوی نہیں۔ ہندوستان کی انتظامی وحدت برطانیہ کی پیدا کردہ ہے۔ لیکن یہ حکومت جو ۱۵۰ یا ۱۶۰ سال سے یہاں قائم ہے۔ عوام کی منظوری اسے حاصل نہیں۔ یہ ایک جمہوری نظام ہے جیسے مغل نظام پر عائد کر دیا ہے۔ اسے برطانوی سنگینوں کی حمایت حاصل ہے عوام کی نہیں۔ اب لوگوں میں سیاسی شعور پیدا ہو چکا ہے۔ ہم اپنی آزادی چاہتے ہیں ہم اپنی زمین کے خود مالک بننا چاہتے اور برطانوی حکومت خیرباد کہنا چاہتے ہیں" ؎۲

اس کے برعکس سرسید انگریزوں کی حاکمیت کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ وہ تمام عمر اس فلسفہ پر کاربند رہے کہ:۔

"ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے، اس کی اطاعت اور فرماں برداری اور پوری وفاداری، اور نمک حلالی، جس کے سایۂ عاطفت میں ہم امن و امان سے زندگی بسر کرتے ہیں، خدا کی طرف سے ہمارا فرض ہے" ؎۳

اپنی وفات سے صرف چھ ماہ قبل سرسید نے اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا کہ:۔

"ہمارا مذہبی فرض ہے کہ ہم گورنمنٹ انگریزی کے خیرخواہ اور وفادار رہیں اور کوئی بات قولاً اور فعلاً ایسی نہ کریں جو گورنمنٹ انگریزی کی خیرخواہی اور وفاداری کے خلاف ہو" ؎۴

---

؎۱ خطبات جناح ص ۶۶، ۶۶ ؎۲ ارشادات جناح ص ۲۳ ؎۳ روئداد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، اجلاس نہم ص ۱۶۹ ؎۴ آخری مضامین ص ۱۰۱



© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس کے جواز میں وہ مذہبی اسناد بھی پیش کیا کرتے تھے۔ اس مضمون کی اشاعت کے ایک ہفتہ بعد وہ ایک اور مضمون میں لکھتے ہیں :۔

"حدیث کی کتابوں میں متعدد حدیثیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نہایت تاکید سے نصیحت کی ہے کہ تم اپنے امیروں اور حاکموں کی ہر حالت میں اطاعت کرو خواہ تمہارے ساتھ ظلم وستم ہوتا ہو یا وہ انصاف و مروت سے پیش آتے ہوں۔ ان حدیثوں میں حاکم یا امیر کے ساتھ کوئی شرط یا قید نہیں ہے جس سے یہ بات معلوم ہو کہ حاکم یا امیر کس مذہب کا ہو" [۱]

اطاعت اور وفاداری کے اس جذبہ میں وہ مظلوم کو آہ کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ وہ ایڈیٹر پاینیر کے نام ایک مکتوب میں ہندوستان کے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"اگر بالفرض گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے کچھ دست اندازی بھی ہو تو ان کے حق میں یہ بہتر ہوگا کہ وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ نہ کہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں بغاوت اختیار کریں" [۲]

اپنی تفسیر القرآن میں اس امر کی مذہبی سند انہوں نے یوں پیش کی ہے :۔

"جو لوگ اس ملک میں یہاں بطور رعیت کے رہتے ہوں یا امن کا اعلانیہ یا ضمناً اقرار کیا ہو اور گو بوجہ اسلام ان پر ظلم ہوتا ہو تو بھی ان کو تلوار پکڑنے کی اجازت نہیں دی۔ یا اس ظلم کو سہیں یا ہجرت کریں۔ یعنی اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں" [۳]

کیا انگریزوں کی اطاعت اور ان سے غیر مشروط مفاہمت کی یہ حکمت عملی سیاسی مصلحتوں کے تابع تھی؟ کیا سرسید اس طرح مسلمان قوم کو آزادی کے لئے تیار کر رہے تھے؟ ہمارے جدید دانشور اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں دوسرے الفاظ میں وہ انگریز قوم کو بے وقوف ظاہر کرنا چاہتے ہیں جو ان کی یہ چالاکی نہ سمجھ سکی۔ ساری دنیا میں انگریزوں کی سیاسی دوراندیشی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو بالآخر انہی کے زوال کا باعث ہوئی۔ اور اس طرح وہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارتے۔ ہندوستان میں انگریزوں کی ساری تاریخ ان دلائل کی نفی کرتی ہے۔ سرسید کی پالیسی ان کی سمجھ کے مطابق اخلاص پر مبنی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ :۔

"ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ صرف ایک زمانۂ دراز تک ہی نہیں بلکہ اٹرنل (دائمی) ہونی چاہئے" [۴]

انہیں سن ستاون کی جدوجہد کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کی حالت زار نے اس پالیسی کو اپنانے پر مجبور نہیں کیا بلکہ وہ اس

---

[۱] آخری مضامین ص ۱۱۳ [۲] مکاتیب سرسید احمد خان ص ۲۶ [۳] تفسیر القرآن جلد اول ص ۲۳۹

[۴] ایڈریس اور اسپیچیں ص ۷۵ ۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے کئی سال قبل سے ہی اس نظریہ پر کارفرما تھے۔ ایڈیٹر پایونیر کے نام اپنے ایک مکتوب میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ:۔

"جو میری آرا اور خیالات برٹش گورنمنٹ کی نسبت ہیں ان کے اصول میرے بیٹے سید محمود کی پیدائش سے بہت پہلے قائم ہو چکے تھے۔"[۱]

واضح ہو کہ سید محمود کا سن پیدائش ۱۸۵۰ء ہے۔ اس کے علاوہ ۱۸۹۴ء میں انہوں نے انگریزوں کے ساتھ اپنی وفاداری کے جذبات کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"میری یہ رائے آج کی نہیں بلکہ پچاس ساٹھ برس سے میں اسی رائے پر قائم اور مستقل ہوں۔"[۲]

سرسید کے مندرجہ بالا بیانات کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ یہ پالیسی انہوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی حالت زار سے متاثر ہو کر اختیار کی مضحکہ خیز ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس صورت حال نے ان کے عزائم کو تقویت پہنچائی اور ان کے لئے مسلمان قوم کی قیادت سنبھالنے کی راہ ہموار کی۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ کثیر الاقوام معاشرہ میں کسی مذہب کے پیروکار اکثر و بیشتر اپنے ہم مذہب سیاسی قائدین کی تقلید کو ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ سرسید نے خود بیان کیا ہے کہ:۔

"برٹش رول (راج) کے ساتھ میری وفاداری اور محبت کی آزمائش ۱۸۵۷ء کے مصائب میں ہوئی تھی۔"[۳]

اور پھر "اس کے عوض میں سرکار نے میری بڑی قدردانی کی۔ عہدہ صدرالصدوری پر ترقی کی۔ اور علاوہ اس کے دو سو روپیہ ماہوار پنشن مجھ کو اور میرے بیٹے کو عنایت فرمائے۔ اور خلعت پانچ پارچہ اور تین رقم جواہر ایک شمشیر عمدہ قیمتی ہزار روپیہ کا اور ہزار روپیہ نقد واسطے مدد خرچ کے مرحمت فرمایا۔"[۴]

انہیں حکمرانوں کی طرف سے مکمل تعاون اور اعتماد حاصل تھا۔ اسی رسوخ کی بدولت وہ قوم کو ایک خاص عرصہ تک اپنے ڈھب پر چلانے میں کامیاب ہوئے۔ بقول حالی:۔ "اگر فرض کر لیا جائے کہ سرسید کی تمام کامیابیوں کا مدار اسی رسوخ اور اعتماد پر تھا تو بھی اصل سبب ان کی راست بازی اور سچائی ٹھہرے گی۔ کیونکہ برٹش گورنمنٹ میں ایک نیٹو (مقامی باشندہ) کا اس قدر رسوخ و اعتبار کرنا، جب تک کہ اس کی وفاداری اور خلوص کا سونا سخت امتحان کی آگ پر تایا نہ گیا ہو ہرگز ممکن نہیں۔"[۵]

انہوں نے انتہائی خلوص کے ساتھ انگریزی حکومت کے استحکام کی کوششوں میں حصہ لیا۔ جو اصلاحی کارنامے انجام دئیے ان کے پیچھے بھی یہی جذبہ کارفرما تھا۔ ان کی مساعی کا تحریک پاکستان سے ناطہ جوڑنا حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ دو قومی نظریہ سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ثبوت کے طور پر چند مزید حوالے ملاحظہ ہوں:۔

---

[۱] مکتوبات سرسید ص ۲۳۱ [۲] روئداد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، اجلاس نہم ص ۱۶۹ [۳] مکتوبات سرسید ص ۲۳۱
لائل محمڈنز آف انڈیا حصہ اول ص ۱۷ [۵] حیات جاوید حصہ دوم ص ۳۱۸



© rasailojaraid.com

"تمام انسان بالکل شخص واحد ہیں اور ہیں "قوم" کی خصوصیت کے واسطے مذہب اور فرقہ اور گروہ پسند نہیں کرتا"[۱]

"وہ زمانہ اب نہیں کہ صرف مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دو قومیں سمجھے جائیں"[۲]

"لفظ قوم سے میری مراد ہندو اور مسلمان دونوں سے ہے۔ یہی وہ معنی ہیں جس میں میں لفظ نیشن (قوم) کی تعبیر کرتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ امر چنداں لحاظ کے لائق نہیں ہے۔ کہ ان کا مذہبی عقیدہ کیا ہے"[۳]

"یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو، مسلمان اور عیسائی بھی جو اسی ملک میں رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے سب ایک ہی قوم ہیں"[۴]

اور اب آخر میں علی گڑھ سے شائع ہونے والی سرسید کی تصنیف "اسباب بغاوت ہند" میں درج "انتساب" کے الفاظ، جو ہمارے پروپیگنڈہ کی نفی کرتے ہیں۔

"سرسید کی روح کے نام جس نے ہندوستانیوں کو متحدہ قومیت کا تصور بخشا"[۵]

## کتابیات


۱- آخری مضامین۔ رفاہ عام پریس لاہور ۱۸۹۸ء ۲- ارشادات جناح، ادبستان لاہور ۱۹۴۶ء

۳- اسباب بغاوت ہند، یونیورسٹی پبلشرز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۵۸ء

۴- ایڈریس اور اسپیچیں متعلقہ ایم اے او کالج، انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ ۱۸۹۸ء

۵- پاکستان کا معمار اول۔ ادارہ طلوع اسلام لاہور ۱۹۶۷ء

۶- تفسیر القرآن، جلد اول۔ انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ ۱۸۸۰ء

۷- حیات جاوید حصہ اول و دوم نامی پریس کانپور ۱۹۰۱ء ۸- خطبات جناح، ادبستان لاہور ۱۹۴۶ء

۹- خطبات سرسید، جلد دوم مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۳ء ۱۰- خطبات قائد اعظم، شعاع ادب لاہور ۱۹۶۱ء

۱۱- روئداد مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۵۵ء

۱۲- سرسید احمد خان، حالات و افکار، انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۷۵ء ۱۳- سفرنامہ پنجاب، انسٹی ٹیوٹ پریس علیگڑھ ۱۸۸۴ء

۱۴- لائل محمڈنز آف انڈیا حصہ اول مفصلات پریس میرٹھ ۱۸۶۰ء

۱۵- مکاتیب سرسید احمد خان، یونین پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۶۰ء ۱۶- مکتوبات سرسید مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۹ء

۱۷- مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز۔ مصطفائی پریس لاہور ۱۹۰۰ء


---

۱ مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز ص ۱۳۷ ۲ سفرنامہ پنجاب ص ۱۴۳ ۳ ایضاً ص ۱۶۷ ۴ ایضاً ص ۹۴
۵ اسباب بغاوت ہند ص ۳